پیرودنیسر طاہرہ بردہی کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ اسے کے بردہی کے ذاتی کاغذات جو سابق وزیر اعظم ذوالفقار بھٹو کیس سے متعلق تھے تلاشی لینے والی ایجنسی زبردستی اپنے ساتھ لے گئی۔

موجودہ حکومت ضیاء دشمنی میں اتنی دور نکل گئی ہے کہ مرزائیوں کا پریس "ضیاء الاسلام" اور رسالہ "الفضل" ضیا دور میں جن پر پابندی لگا دی گئی تھی اس نے آتے ہی انہیں واگذار کر دیا ہے۔

سابق سیکرٹری مسٹر نسیم احمد قادیانی کو اقوام متحدہ میں مندوب مقرر کر دیا گیا، جو ضیاء الحق مرحوم کے دور میں ملک سے فرار ہو گیا تھا۔

ملک کے اندر جہاں جہاں ضیاء الحق کے نام کی تختیاں نصب ہیں ان میں سے اکثر کو ہٹایا جا رہا ہے۔

دہشت گردی کے وہ اخلاقی اور قومی مجرم جنہیں ضیا دور میں اُن کے سنگین جرائم پر کڑی سزائیں دی گئی تھیں، پیپلز پارٹی کی حکومت نے آتے ہی صرف ضیا دشمنی میں انہیں قومی ہیرو اور سیاسی کارکن قرار دے کر جیلوں سے رہا کر دیا۔

بقیہ از صفحہ ۵۰

والے اگر مومنین و مسلمین بلکہ پاسداران انقلاب اسلام کہلا سکتے ہیں ———— تو سلمان رشدی

سے کتاب لکھوا کر اس کے "جانی دشمن" بھی ہو سکتے ہیں ایسے جانی دشمن کہ اب برطانوی سرکار کی حفاظت میں ایرانی دھرم کو انگریزی ناولوں میں منتقل کرنے کا کام زور شور سے جاری ہے اور اُمتِ رسول کیلئے اپنے آقا و مولا کے گستاخ کو ٹھکانے لگانا دشوار تر ہو چکا ہے۔ خدارا کچھ سوچئے، کچھ سمجھئے اور اصلی دشمن کو پہچانئے اس کی ہر سازش کا جواب دیجئے۔ ورنہ مذہبی بے غیرتی آپ کو لے ڈوبے گی۔ یقیناً (امیر شریعت کے بقول) غیرت آج حیران ہو کر مسلمان نوجوانوں کا منہ دیکھ رہی ہے۔!

تجزیہ

محمد جاوید اختر

# یہ تہمت ہے مختاری کی

حال ہی میں وزیراعظم صاحب امریکہ کے چھ روزہ دورے سے واپس آئیں تو اخباری نمائندوں کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "امریکہ نے پاکستان کی سلامتی کے تحفظ اور منتخب حکومت کی حمایت کا یقین دلایا ہے۔"

یہ کوئی نئی بات نہیں امریکہ بار ہا نہ صرف پاکستان بلکہ تیسری دنیا کے بہت سے ممالک کو ایسی یقین دہانیاں کراتا رہتا ہے اور" ۱۹۷۱ء میں تو پاکستان کی سلامتی کے تحفظ کا کارنامہ سرانجام دے بھی چکا ہے۔" ہمارا ہی یہ حوصلہ ہے کہ ہم ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جانے کے عادی ہیں۔ ہمیں خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی قوتِ بازو پر یقین نہیں بلکہ امریکہ سے سلامتی کے تحفظ کی امید ہے۔ کیا امریکہ ہمارا چوکیدار ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا پھر آقا ہے؟ شاید! کیونکہ ہمیں اپنی پالیسیاں بھی امریکی مفادات کے مطابق بنانی ہوتی ہیں اور ملکی قوانین پر عمل درآمد بھی امریکہ ہی کرائے۔ جب چاہے قانون بدل ڈالے یا قانون کے خلاف بغاوت کرا دے۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کریں ہے ہم کو عبث بدنام کیا

پیپلز پارٹی کے ایک ڈگر پر نہ ٹھہرنے کی بھی شاید یہی وجہ ہے کہ سب کچھ سی آئی اے کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ ایک کٹھ پتلی حکومت ہے۔ آخر ایک بائیں بازو کی جماعت دائیں بازو کی طاقتوں کے سامنے جھکی، اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا پی پی کے بنیادی نظریات غلط تھے اور انہوں نے عوام کی نظروں میں محض دھول جھونکی تھی۔ اگر ایسا نہیں اور اس کے برعکس اگر ان کی سوچ کے مطابق نظریات درست ہیں تو ان پر استقامت کیوں نہیں! اپنی پالیسی واضح کیوں نہیں کرتے؟ عوامی حکومت ہونے کے ناطے عوام کو کیوں نہیں واضح طور پر بتاتے کہ وہ کونسی وجہ ہے جس نے ان کو "بابائے جمہوریت"

کی بجائے بقول ان کے "ایک آمر کے ساتھی ڈکٹیٹر کا ساتھ دینے پر مجبور کیا ـــ اقتدار کی ہوس اور سی آئی اے کی بالادستی نے ان کا وزن دائیں بازو کے پلڑے میں ڈال دیا کیونکہ بائیں بازو کی طاقتوں میں اتنی جان نہیں کہ اپنے چاہنے والوں کو اقتدار دلا سکیں۔ پی پی نے فوراً بائیں لابی سے اپنا رُخ دائیں لابی کی طرف موڑا اور ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا کہ اقتدار شرط ہے..... بازو بدلنے میں کونسی دیر لگتی ہے۔ اور پی پی کے کٹر بائیں بازو کے عناصر انڈر سوویت پراپیگنڈے کے تحت افغان جہاد اور پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ اور اپنے محسن امریکہ کی رضا کا خیال کرتے ہوئے یہ کارنامے سرانجام دے رہے ہیں۔

ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ ذاتی مفادات کو نظریات پر اہمیت حاصل ہے۔ اجتماعی سوچ کی بجائے انفرادی سوچ عام ہے جب کہ قوم کی بقا اور سلامتی کا دارومدار اس کے نظریات پر ہے نہ کہ امریکہ بہادر کی یقین دہانی پر۔ دوسرے لفظوں میں پاکستان کی بقا اور سلامتی، اسلامی نظام کے نفاذ سے مشروط ہے۔

اس ضمن میں اپنے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان بھی بہت ضروری ہے اور اس کے لئے بہرحال اجتماعی سوچ کی ضرورت ہے۔ لیکن شاطر سیاست دانوں اور حکمرانوں نے ہمیشہ قوم کے اجتماعی شعور اور نظریاتی تشخص کو مجروح اور متزلزل کیا۔ جب نظریہ پاکستان دبتا چلا گیا۔ عوام اور حکمرانوں نے اس نظریئے سے پہلو تہی اختیار کی۔ تو بھٹو صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوشلزم کا پرچار شروع کر دیا۔ خوب سنہری خواب دکھائے اور عوام کی رال ٹپکنے لگی۔ علماء کرام برابر چیختے رہے۔ لیکن عوام نے ان کی کسی بات پر کوئی دھیان نہ دیا۔ دجل و فریب کے سیلاب میں بہتے چلے گئے۔ آخر جب انہیں ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ لینے کے دینے پڑ گئے، تو ایک مرحلہ پر تحریک نظام مصطفےٰ چلی، اس سے یہ ضرور ہوا کہ کچھ سیاسی جماعتوں نے اپنے منشور میں نظریہ پاکستان کو جگہ دینا شروع کر دی۔ ملکی آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی زبانی اور کسی حد تک عملی کوششیں بھی ہوئیں۔ لیکن سیکولر سیاسی جماعتیں (خاص طور پر ولی خان اینڈ کو، پی پی اور تحریک استقلال) اس معاملے میں خاصی مستقل مزاج نکلیں، کہ انہوں نے نظریہ پاکستان کو نہ صرف اہمیت نہ دی بلکہ سرے سے انکار کر دیا۔